(آنلاین ایڈیشن)

سازِ سلاسل

مظفر عازم

... 2007 ...

چند تاثرات

عبید الرحمان، مخمور سعیدی، مظفر ایرج

(1)

سازِ سلاسل پر تبصرہ

(اقتباس) از جناب عبید الرحمان - (سالہ ادبی دنیا، نئی دہلی، مئی 2006)

مظفرّ عازم کا شمار ایسی شخصیتوں میں ہوتا ہے جنھوں نے کئی زبانوں کے حوالے سے اپنی شناخت قائم کی ہے۔۔۔۔ ان کا آبائی وطن کشمیر ہے اور انھوں نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ وہیں گزارا ہے اور وہاں گزارے ہوئے دنوں کی یادیں آج بھی ان کی ہمسفر ہیں۔

بہار خو ہے خزاں میں چنار سایہ مرا　　سکوں نواز سہارا ہے زندگانی کا
نہ پوچھ کس کے لیے ہیں یہ لفظ متروکات　　نشاطِ سیرِ چمن، جھیلِ ڈل کی رعنائی

ایک غزل میں اس جنت نشان وادی کے گذشتہ دنوں کی کہانی یوں بیان کی ہے

کہتے ہیں کہیں اک بستی تھی، وہاں چاند ستاروں کے گھر تھے　　نیلی جھیلوں میں امرت تھا اور امرت میں نیلوفر تھے
سب سر و روان سر دھنتے تھے ہر موج ہوا کی شوخی پر　　سنبل کہ زلیخا کی زلفیں شمشاد کہ یوسف پیکر تھے

اس غزل کا شعر ایک حساس دل کو تڑپا دیتا ہے اور کسک بن کر اس کی رگ و پے میں اتر جاتا ہے۔۔۔۔ مجموعے کے آغاز میں مخمور سعیدی کا مضمون شامل ہے جس سے مظفرّ عازم کی شاعری کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے مگر شاعر کی باطنی دنیا تک رسائی اور اس کی شاعرانہ شخصیت کی صحیح شناخت کے لیے اس کے اشعار سے براہ راست رابطہ ضروری ہے جن میں تہ در تہ معنی و مفہوم کی ایک دنیا آباد ہے۔ اس دنیا سے گذرتے ہوئے قاری محسوس کرے گا کہ وہ شاعری کی ایک انتہائی خوبصورت اور با معنی فضا کی سیر کر رہا ہے۔ شعری مجموعوں کی بھیڑ میں ایسے مجموعے بہت ہی کم دستیاب ہیں جو خود کو پڑھوا لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جنہیں جتنی بار پڑھا جائے شاعری کی پرتیں کھلتی جائیں گی۔ "سازِ سلاسل" ایسا ہی ایک مجموعہ ہے جو قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔

کتاب کے آخر میں شاعر کی چند کشمیری نظموں کے منظوم تراجم شامل ہیں۔ ترجمہ چونکہ شاعر نے خود کیا ہے اس لیے اس پر ترجمے کا گماں نہیں گزرتا۔ ان کے علاوہ فارسی کی دو غزلیں بھی شامل ہیں جو اس زبان پر شاعر کی گرفت اور قدرت کلام کا پتہ دیتی ہیں۔

***

(2)

کمیاب تازگی کی شاعری

[مصنف کے نام مخمور سعیدی کے ایک خط سے اقتباس]

[۔۔۔] نے آپ کے مجموعۂ کلام کا مسودہ مجھے دیکھنے کو دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر ایک ناقدانہ نظر ڈالوں، مگر میں نے جب اس کا مطالعہ شروع کیا تو مجھ پر ایک ایسا کیف طاری ہوا جس میں میں کھو کر رہ گیا۔ لفظ اور معنی دونوں کی سطح پر آپ کے ہاں جو تازگی ہے وہ آج کل کی شاعری میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اور اس کا سرچشمہ آپ کے جودت طبع کے علاوہ وہ ذہنی پس منظر بھی ہے جس کی تشکیل میں اپنی سرزمین، اس کی روایات اور اس کے موجودہ حالات سے آپ کی جذباتی وابستگی صاف محسوس کی جا سکتی ہے

مخمور سعیدی (یکم مارچ 2005)

***

(3)

مظفّر عازم: کھلی آنکھوں اور کھلے ذہن کا شاعر

- مخمور سعیدی -

جناب مظفر عازم کی شاعری کو وادیِ کشمیر کی آواز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ان کی غزلیں ہوں یا نظمیں، انھیں پڑھ کر اسی تازگی کا احساس ہوتا ہے جو اس جنت نشان وادی کی فضاؤں کا خاصہ ہے۔ ان کا لہجہ روایتی عناصر سے گراں بار نہیں اور اظہار و بیان کی وہ رسمیات جو بالعموم شعر کو بوجھل بنا دیتی ہیں، ان سب سے عازم صاحب نے غالباً شعوری طور پر اجتناب برتا ہے۔

جناب مظفر عازم کے موضوعات سخن بھی نئے ہیں جو انہوں نے اپنے گردو پیش کی زندگی سے اٹھائے ہیں جو انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ انھوں

نے اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے سانس لیتے ہوئے معاملات و مسائل کو کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے اور کھلے دل اور کھلے دماغ سے انھیں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔

اپنی سرزمین سے محبت آدمی کا فطری جذبہ ہے۔ مظفر عازم بھی اپنی شاعری میں اس جذبے سے سرشار نظر آتے ہیں لیکن اس سرشاری میں ہوشیاری بھی ہے۔ وادی کشمیر کے خوش نما مناظر، پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں، چناروں اور دیوداروں کے بلند قامت درختوں کی سرخ و سبز قطاریں، ندیوں کی روانی، اور چشموں کا خوش آہنگ ترنم اور ڈل میں ڈولتے آہستہ خرام بوٹ ہاؤس اور تیز رو کشتیاں — سلیقے سے سجی ہوئی تصویروں کی طرح مظفر عازم کے شعری نگارخانے کی زینت ہیں، لیکن ان تصویروں کو دھندلا کر دینے والے، ان کے حسن کو ماند بلکہ ملیامیٹ کر دینے کی کی خواہش رکھنے والے کج اندیشوں کی کارگزاریوں سے بھی وہ بے خبر نہیں ہیں، اور ان پر ان کی تشویش اس مجموعے میں شامل نظموں اور غزلوں میں ایک زیریں لہر کی طرح رواں دواں صاف دیکھی جا سکتی ہے اور اس کی شدت کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قابل قدر بات یہ ہے کہ اکثر موقعوں پر ان کا ردعمل منفی نہیں ہے اور وہ حالات میں بہتری آنے کے امکان کو مسترد نہیں کرتے:

رات کی تیرہ نصیبی میں درخشندہ رہا — راکھ کے ڈھیر میں یہ شوخ شرارہ کیا ہے

گملے میں جو پیاسی سوسن ہے بیچاری زباں لٹکائے ہے — اور نرگس کی گن آنکھوں میں مبہوت سا ارماں رہتا ہے

دریچے بند تھے اک بھوت گھر کے — کھلے آنگن میں پر بستہ ہوا تھی

خواب کے شہر میں سایۂ ابر بہاراں تھا — آنکھ کھلی تو سارا منظر ٹوٹ گیا

پھر وادی سے گولی کی آواز آئی — پھر میرے شاہیں کا شہپر ٹوٹ گیا

یہ پر ٹوٹا شاہیں آج بھی ان کا ہمسفر ہے اور وادی میں گونجنے والی گولی کی آواز ان کا تعاقب کر رہی ہے۔

مظفر عازم برسوں سے اپنے وطن مالوف سے دور، دنیا کے خوشحال ترین خطّے میں مقیم ہیں۔ یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ اپنی سرزمیں سے یہ دوری انھوں نے بہتر وسائلِ معاش کی خاطر گوارا کی ہوگی، اس مقصد میں انہیں کامیابی بھی ملی اور زندگی کی آسائشیں ان کا مقدر بنیں لیکن اجنبی دیاروں کی نامانوس فضاؤں میں شاید وہ ذہنی آسودگی حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ جویا تھے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ آسودگی کی جگہ ناآسودگی ہاتھ لگی۔ مظفر عازم کے شعری کینواس پر یہ رنگ بھی خاصا نمایاں ہے:

ہواؤں کے پاؤں میں زنجیر تھی — صدا کے سلیقے گرفتار تھے

پیلے پتوں نے دوش طوفاں پر — مجھ کو میرا پتا بتایا ہے

پائے مجروح و سایۂ دیوار — کچھ ہمارا ہے، کچھ پرایا ہے

پھڑکتا پرندہ فضاؤں میں ہے — بڑھاپا لڑکپن کے گاؤں میں ہے

صبا تو نیند اڑا کر چلی گئی ہوگی — گلاب شاخ شاخِ ستم پر ہی دوپہر دیکھے

نیند اڑاکر چلی جانے والی صبا کے آوارہ خرام جھونکے کدھر سے آئے اور کدھر چلے گئے، شاعر ہمیں یہ اطلاع نہیں دیتا لیکن گلاب کو یہ مشورہ دے کر کہ وہ دوپہر کا نظارہ شاخِ ستم پر ہی رہ کر کرے، وہ گلاب کو خود اپنی ذات کا استعارہ بنا دیتا ہے۔

مظفر عازم چند موضوعات کے اسیر ہوں، ایسا نہیں ہے۔ جیساکہ میں نے شروع میں ہی کہا ہے، ان کی شاعری میں زندگی اپنی تمامتر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ رنج و راحت، غم و نشاط، درد و درماں، غرض زندگی سے تا بہ مرگ انسان جن مراحل سے گزرتا ہے، مظفر عازم کی ان سبھی پر نظر ہے اور ان مراحل سے گزرتے ہوئے جو گوناگوں کیفیات انسانی وجود پر طاری ہوتی ہیں، ان کی نظموں اور غزلوں میں ان سب کی عکاسی دیکھی جا سکتی ہے۔

مظفر صاحب کی زبان قدرے فارسی آمیز ہے لیکن ان کی بعض غزلیں اس زبان میں ہیں جسے ہم ہندی آمیز بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک غزل کے یہ چند شعر دیکھیے:

ہریالی اور نیل گگن　　　ناچ مرے متوالے من

نیل آکاش میں کویلیا　　　لہری، من موجی، برہن

پھولوں کو چھب دکھلاتی　　　تتلی پھلواری میں مگن

یہ ''غم سے آزاد غزل'' انھوں نے ''امریکہ کے نام ارپن'' کی ہے جہاں کی کھلی فضاؤں میں وہ اب دادِ سخن دے رہے ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں عازم صاحب نے کچھ کشمیری نظموں کے تراجم بھی شامل کیے ہیں جو اپنا ایک الگ ہی ذائقہ رکھتے ہیں۔ کشمیری ان کی مادری زبان ہے اور اردو مادری زبان ہی کی طرح عزیز کہ انھوں نے اپنی شاعرانہ شخصیت کے اظہار کا حوالہ اس زبان کو بھی بنایا ہے، لیکن انھیں فارسی زبان سے بھی شغف ہے اور وہ گاہ بہ گاہ اس میں بھی فکرِ سخن کرتے رہتے ہیں۔ سب سے آخر میں دو فارسی غزلوں کی شمولیت ان کے اسی شغف کو ظاہر کرتی ہے۔

مظفر عازم کھلی آنکھوں اور کھلے ذہن کے شاعر ہیں۔ ان کے مشاہدات جب شعری پیکر اختیار کرتے ہیں تو ایسی شاعری وجود میں آتی ہے جس کے مطالعہ سے ہم اپنے دور و نزدیک کی دنیا کو خود سے باتیں کرتا ہوا پاتے ہیں۔

[سازِ سلاسل کے دیباچہ سے اقتباس (2005)]

***

(4)

سازِ سلاسل : چند امتیازی پہلو

- جناب مظفّر ایرج -

۔۔۔ تخلیق کی شناخت انعام واکرام کی مرہون نہیں ہوتی کیونکہ ادب محض تفنن طبع کا ذریعہ نہیں، زندگی کرنے کا ہنر بن چکا ہے ۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ کرۂ ارض سے کرۂ سماوات تک سفر کرتے ہوئے، عناصر و عوامل کا احاطہ کرتے ہوئے زندگی کی ان حقیقتوں کی نہ صرف نشاندہی کرتا ہے جو ہمارے اندر اور ہمارے باہر مرجود ہیں، بلکہ ان سے آنکھ ملانے کی بھی ہم میں لگن پیدا کرتا ہے :

بس اپے آبلۂ پا کی آبرو رکھ لے — جنونِ شوق نہ منزل نہ رہگزر دیکھے
کیا بتاؤں مرے پڑوسی تھے — اپنے گھر کو جلانے والے لوگ
وہ پیڑ اپنی خزاں کو سلام کرتا — جو برگ زرد کی آغوش میں ثمر دیکھے
برباد تگاپو میں، چمن گشت کی خو میں — برتاؤ ہواؤں سے حریفانہ رہا ہے
وہ گوشہ کہاں ہائے جہاں پھیل کے بیٹھیں — اس کون و مکاں میں تو گزارا نہ ہوا ہے

جب تخلیق کار کے خیال کی پرواز اتنی وسیع ہوجاتی ہے کہ اس کو کون ومکان کا پھیلاؤ تنگ نظر آنے لگے تو اس کے فن میں تعقید لفظی یا معنوی یا یوں کہیے بیان میں روانی کی کمی بلکہ ٹھہراؤ آئے تو اسے انتہائی دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑتا ہے، کیونکہ نفسِ مضمون کی قربانی کا مسئلہ سامنے آتا ہے ۔ جب ایسا وقت شاعر پر آپڑے تو قدرتی بات ہے کہ ثقیل اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جس سے سلاست اور روانی بلکہ اسلوب تک متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ لیکن عازم اس مقام سے اس طرح گزرے ہیں جیسے مکھن میں سے چاقو:

اک سفر کی منزل ہے اس سے دو قدم آگے — جس مقام تک آکر پر کسی کے جلتے ہیں
کریدتا نہ قلم زخم دل اگر عازم — کلام زود زباں کا کہاں ہرہ ہوتا
پھول کا زخم چاٹتی تتلی — سینۂ غنچہ میں سنان ہے آج
کنویں کی کوکھ میں پتھر پہ لیٹی — صدا گونگی تھی لب ناآشنا تھی
کسے معلوم کہ وہ آگ ہے یا ابر کرم — لوگ اس بات پہ خوش ہیں کہ ادھر آئے گا

یوں تو شاعری میں پہلے ہی سے رد وقبول کا عمل جاری ہے لیکن ادھر لگ بھگ پچھلی آدھی صدی کے دوران اس میں جو عملی تجربے کیے گئے ہیں انہوں نے شاعری کی پوری کائنات ہی بدل ڈالی ہے اور ایسا گنج گراں مایہ ہمیں بہم پہنچایا ہے کہ ہر تخلیق کار اپنی بساط بھر تخلیقات کے توسط سے اپنی سرخروئی کہ دعا کر سکتا ہے کہ اسے ذات کا ادراک، وجود کا عرفان بلکہ اس سے ہمکلامی کا سرا ملا ہے ۔ عازم کی شاعری بھی ذات، وجود اور "میں" سے راست گفتگو کے خزانے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے :

کلائی نے پوروں کو مس کرلیا
دھڑکتا کھلونا بلاؤں میں ہے

پگھلتی برف کے دن ہیں خدا کرے عازمؔ
شگفت گل میں تری آہ کا اثر دیکھے

پھڑکتا پرندہ فضاؤں میں ہے
بڑھاپا لڑکپن کے گاؤں میں ہے

وہ دیپ آج بھی پاگل ہوا سے لڑتا ہے
کہ جس کی جوت پہ سورج کی روشنی ہو نثار

ہم گداگر ہیں، پر نہیں اس کے
اسم جس کا کلید باب نہیں

صلیب: سروِ خراماں، گلے کی پھانس: فغاں
تمہارا گھر ہے ہمارا غریب خانہ صبا

منارے رہے ہیں ہم اس طرح اپنی عمرِ رواں
جھکی کمر کو ہلال شباب لکھتے ہیں

عکس کا شکاری ہوں آئینے بناتا ہوں
فطرت خلیلی میں سلسلہ ہے آذر کا

ساحل آپہنچا ہے سمندر ساکن ہے
اب تو بیڑا پار ہے، اب کھو جائیں گے

شاعر کی نظر بہت ایسے مظاہر اور حقائق کا احاطہ کرتی ہے جو فلسفی کی بالغ نظری کی زد میں نہیں آتے، کیونکہ شاعر خشک اور خنک فلسفیانہ موشگافیوں کے نتائج سے زیادہ مظاہر و حقائق کو مرکزِ خیال سمجھ کر اپنی منزل کا تعین کرتا ہے اور ایک ایسے عالم کی خبر لاتا ہے جہاں تک فلسفی کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ بات اپنی جگہ کہ شاعری فلسفے سے زیادہ دور نہیں۔ عازم نے فلسفے کو بھی شعر میں کامیابی سے بیان کیا ہے:

میرے قدموں کی خاک خوش آثار
کن ستاروں کے انتظار میں ہے

دائرہ دائرہ ہے جبرِ حیات
بادل آئیں گے جو گیا دریا

کامیاب یا اچھی شاعری میں اصطلاحیں، تراکیب اور استعاروں کا استعمال اہم ہے۔ عازم کی شاعری میں جگہ جگہ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ "قوسی تراکیب" کا بڑی چابکدستی سے استعمال ہوا ہے جس سے عازم کے کلام کو ایک نیا افق دستیاب ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عازم کا کلام اکہرے پن یا یکرنگی یا یکسانیت کے الزام سے خود کو بچا لے جاتا ہے:

شہرِ آہن میں جھلستی ہے مری خواب پری
خواب وادی کے خریدار کو تڑپائے گی
خواب نگر کا سایۂ ابرِ بہاراں تھا
سوچ صدف میں موتی کیونکر ٹوٹ گیا
اور، گل آنکھوں، سنگ الفاظ، نمک نمک بوندیں وغیرہ

مظفرؔ ایرج سرینگر 8 مئی 2003

***